اقبال کا تصورِ روحانی جمہوریت اور اس کے ناقدین

ڈاکٹر شفیق عجمی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Allama Iqbal used the terminology of "Spirtual Democracy" in the last passge of his sixth lecture entitled "Principle of Movement in the structure of Islam" included in his thoughtful work, "Reconstruction of Religious Thought in Islam". In an conference held in January, 2013 in Islamabad, the Iqbal's Idea of spirtual democracy was criticised by some intelectuals which is being discussed in this article, in the context of Iqbal's thought.

اقبال نے سرمایہ دارانہ جمہوریت کے بارے میں تواتر کے ساتھ اظہارِ خیال کیا اور اس کے مقابل روحانی جمہوریت کا تصور پیش کر کے اسے "Ultimate aim of Islam" قرار دیا جو ان کی نگاہ میں حقیقی اسلامی نصب العین ہے۔ ہمارے بیشتر دانشور اگر اقبال کی روحانی جمہوریت کے بارے میں خاموشی کی پالیسی پر عمل پیرا رہے ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اقبال اور جمہوریت کے حوالے سے اب تک جو کچھ، لکھا پڑھا گیا ہے تو اس میں بھی توازن کم اور تعصّب کا اظہار زیادہ نظر آتا ہے اور یوں بھی روحانی جمہوریت کی اصطلاح اقبال نے صرف ایک بار اپنے خطبات میں استعمال کی جو بہت کم اصحاب کی نظروں سے گزری، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ سالِ رواں کے آغاز میں ''ادب اور جمہوریت کے موضوع'' پر منعقدہ اہلِ قلم کانفرنس میں ڈاکٹر سعادت سعید نے اپنے خطاب میں روحانی جمہوریت کی بات کی جو بعض طبائع نازک پر گراں گزری اس گرانی کا اظہار بعض اصحاب نے اپنے قلم کے ذریعے سے بھی کیا ہے۔

ابھی تک تو ایک مخصوص ذہنیت اقبال کے حوالے سے جمہوریت کو ہضم نہیں کر پائی اور یہاں معاملہ روحانی جمہوریت تک آن پہنچا ہے۔ ایک ادیب اور کالم نگار نے اہلِ قلم کانفرنس کی روداد لکھتے ہوئے ڈاکٹر سعادت سعید کے ساتھ ساتھ اقبال اور اُن کی روحانی جمہوریت کا بھی تمسخر اڑاتے ہوئے لکھا:

> ''ڈاکٹر سعادت سعید نے اقبال کے تھیلے سے روحانی جمہوریت کی بلی نکال کر پیش کی''[۱]

یہ کہنا مشکل ہے کہ ہمارا کالم نگار، ڈاکٹر سعادت سعید سے نالاں ہے یا اقبال اور ان کی روحانی جمہوریت سے بیزار لیکن حیرت ہے کہ اس کے باوصف ادب اور جمہوریت کے فروغ پر منعقدہ کانفرنس میں شرکت کو بھی ضروری

خیال کرتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ماضی میں آمروں اور ڈکٹیٹروں کی منعقدہ اہل قلم کانفرنسوں میں بڑے بڑے جمہوریت پسند اور روشن خیال بھی فخریہ شرکت فرماتے اور انعام پاتے رہے ہیں۔ انہی ادوار میں روحانی شخصیات کے لیے مشائخ کانفرنسیں بھی انعقاد پذیر ہوئیں جن پر گفتگو کا یہ موقع نہیں۔

جمہوریت کے ایک چمپیئن اور سقراط پر ایک ضخیم کتاب کے مصنف، اسلم گورداسپوری نے زیرِ بحث اہل قلم کانفرنس، اسلام آباد کے حوالے سے اپنے ایک مضمون میں ڈاکٹر سعادت سعید کی علم دوستی کے اعتراف کے باوجود ان کی روحانی جمہوریت کی بات کو دلچسپ بات قرار دیا ہے:

> ''ڈاکٹر سعادت سعید نے جو سب سے زیادہ دلچسپ بات کی وہ بات تھی ان کی روحانی جمہوریت کی بات۔ یہ بات اس وقت تو میری سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر جب علامہ طاہر القادری نے اپنے لانگ مارچ میں روحانی جمہوریت کی بات کی تب ان کی اس روحانی جمہوریت کو سمجھنے میں مجھے آسانی ہوگئی''۔[۲]

ڈاکٹر سعادت سعید گذشتہ چار دہائیوں سے کالج اور یونیورسٹی تک کی سطح تک کے طلبہ کو خوش اسلوبی سے شعر و ادب اور تنقید و تحقیق کا درس دیتے چلے آئے ہیں لیکن گورداسپوری صاحب کو روحانی جمہوریت پر قائل نہیں کر سکے۔ صد شکر کہ اس مسئلہ کی تفہیم شیخ الاسلام کے توسط سے ممکن ہو سکی۔ لیکن انھوں نے روحانی جمہوریت کے بارے میں کیا سمجھا، اپنی پوری تحریر میں انھوں نے کسی ایک جگہ بھی ایسا کوئی اشارہ نہیں کیا۔ اقبال جمہوریت کے مخالف ہرگز نہیں تھے۔ ڈاکٹر سعادت اپنی تمام تر خطابت کے باوجود اقبال کو جمہوریت مخالف ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ اقبال جمہوریت مخالف نہیں تھے، وہ ملوکیت کے دشمن تھے۔ وہ ''لاملوکیت فی الاسلام'' کے قائل تھے اور عرب ملوکیت کے بارے میں وہ درست طور پر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اسی کی وجہ سے اسلام کا رخِ روشن گہنا گیا ہے چنانچہ اسلام کے آفاقی اصولوں کی تجربہ گاہ کے طور پر ایک آزاد مملکت کا حصول ناگزیر ہے۔

ایک آزاد مملکت کا خواب انھوں نے ایک ایسی مملکت کے طور پر نہیں دیکھا تھا کہ جو آمریت کی آماجگاہ بن جائے۔ بلکہ وہ اس مملکت میں روحانی جمہوریت کی برکات کو پروان چڑھتے دیکھنا چاہتے تھے جہاں عام آدمی قومی وسائل کے ثمرات سے متمتع ہو سکے، قومی دولت میں حصہ دار بن سکے۔ وہ ''الارض للہ'' کے اُصول کے قائل تھے اور سلطانیٔ جمہور کے زمانے کے منتظر تھے۔ جس میں غریب مزدور کسان بھی اپنی محنت کے ثمرات سے اپنی جھولی بھر سکے۔

صرف مطلق العنان حکومتوں میں ہی نہیں بلکہ نام نہاد جمہوریتوں میں بھی غریب کی جھولی خالی ہی رہتی ہے اور گذشتہ نصف صدی میں اس کی عملی صورت ہم سب کے سامنے ہے۔ اقبال بھی مروجہ جمہوری نظام یا سامراجی جمہوریت پر اسی لیے معترض ہیں کہ جمہور کے نام پر قائم ہونے والے نظام میں حقیقتاً جمہور کے مفادات کو پس پُشت ڈال کر صرف بالا دست طبقوں کے مفادات کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
گرمیِ گفتار او عضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری[۳]

جمہوریت کے نام پر قائم ''جنگ زرگری'' ہی دراصل اقبال کی تنقید کا اصل ہدف ہے لیکن ایک مخصوص ذہنیت شروع ہی سے اقبال کی ''جمہوریت دشمنی'' کا پرچار کر کے آمریتوں کے ہاتھ مضبوط کرتی رہی ہے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ کے غیر جمہوری ادوار میں یہ پرچار شدت اور تسلسل کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔اسٹیبلشمنٹ نے اسلام اور اقبال کے نام کو غیر جمہوری قوتوں کے غلبہ و تسلط کے لیے کامیابی سے استعمال کیا ہے جس کے نتیجے میں طالع آزماؤں کو جمہوری عمل منسوخ کرنے، اقتدار پر قابض ہونے اور ملک و قوم کے مستقبل سے کھیلنے کے بار بار مواقع ملتے رہے ہیں۔ ایسے طالع آزماؤں کو ہمیشہ بروہی اور پیرزادہ جیسے اعلیٰ قانونی دماغوں کی مشاورتی خدمات دستیاب رہی ہیں۔اقبال اگر سامراجی جمہوریت کی بعض بنیادی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ وہ آمریت یا مطلق العنانیت کے حامی ہیں۔ وہ اسلام میں تصورِ حاکمیت اعلیٰ کے حوالے سے کسی ابہام کے شکار بھی نہیں جیسا کہ وہ دوٹوک انداز میں فرماتے ہیں:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری[۴]

انھوں نے اسلام میں اختیار اور قانون سازی کے اصل منبع و ماخذ کی نشاندہی کر دی ہے جسے اکثریت رائے کے جمہوری اصول کا سہارا لے کر فراموش نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے ساتھ ہی خدائے واحد کے نام پر کوئی فرد واحد افرادِ قوم کے حقوق سلب نہیں کر سکتا بلکہ خدائے واحد کی منشا اس کے بندوں کے ذریعے ہی سے Manifestation داخل کرتی ہے۔ اس لیے کہ بابِ نبوت بند ہو جانے کے بعد اب کوئی فرد خدا کا نمائندہ ہونے کا نہ تو دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ ہی عوام سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

> "The intellectual value of the idea is that it tends to create an independent critical attitude towards mystic experience by generating the belief that all ...... all thority, claiming a supernatural origin, has come to an end in the history of man".[۵]

لہٰذا دورِ حاضر کے کسی بھی مسلم ملک میں، کسی بھی ظل الٰہی قسم کے حکمران کے لیے نہ تو گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی جگہ۔ جب دین کے امور میں کسی جبر و اکراہ کی گنجائش نہیں اور آزادیِ فکر اور آزادی رائے کا اصول ہی فائق ہے تو کوئی بھی نظامِ حکومت عوام کی مرضی، منشا اور رائے کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا اور یہ اصول اسلامی تصورِ حاکمیت سے کسی بھی طور متصادم نہیں۔

فرد کی آزادیٔ رائے کے حق کا احترام اسلام اور جمہوریت دونوں میں مشترک ہے۔ اقبال اگر کسی مردِ فرنگی کے قول ''بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے'' کی جانب اشارہ کرتے ہیں تو یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ بندوں کی گنتی کے نظام کے برعکس دیگر نظاموں میں تو بندوں کو صرف طاقت کی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے جسے نظریۂ طاقت بلکہ نظریۂ ضرورت ہی کہا جا سکتا ہے۔

سیاسی فکر کی تاریخ میں جمہوریت نے کبھی بھی کامل جمہوری نظام ہونے کا دعویٰ نہیں کیا البتہ ہر عہد کی ضرورت اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت اس کی سرشت میں موجود ہے۔ اپنی تمام تر خامیوں اور قباحتوں کے باوجود انتقالِ اقتدار کا اصول جمہوریت کی وہ خاصیت ہے جو اس کو دیگر تمام نظاموں پر فوقیت بخشتا ہے۔ اس کی یہی وہ خاصیت ہے جو اس کو مطلق العنانیت جیسی لعنت سے ممتاز کرتی ہے جس کے اقبال ہمیشہ بدترین مخالف رہے۔

سامراجی جمہوریتوں میں اگر عوام کے حالات نہیں بدلتے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ مسائل کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں تو ان کا جمہوری نظام کو شک کی نظر سے دیکھنا اور مایوسی کی صورت میں اس نظام سے اپنی برأت کا اظہار فطری ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ وطنِ عزیز جمہوری اصولوں کی بنیاد پر وجود میں آیا اور جمہوریت کے حصول اور اس کی بحالی کے لیے عوام نے جو بے پناہ قربانیاں دیں وہ ہماری سیاسی تاریخ کے ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسی لیے ہمارے بعض دانشور اس موقف کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ ہم جمہوریت کے نہیں بلکہ پاکستان میں رائج طرزِ جمہوریت کے مخالف ہیں جس میں ذات برادری، پیری مریدی، جاگیرداری، مفاد پرستی جیسی لعنتوں کے خاتمے کی بجائے ان کا عمل دخل بڑھتا چلا گیا ہے۔ لہٰذا غریب عوام کے لیے جمہوریت کے معنی محض ''زندہ باد مردہ باد'' کے نعرے، انقلاب اور تبدیلی کے وعدے یا پھر چار پانچ سال کے بعد بیلٹ باکس میں اپنا ووٹ ڈالنے کے بعد اس پورے عمل سے بے دخل ہو جانے کے رہ جاتے ہیں۔ اور پھر ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ بیلٹ (Bellet) کا تقدس، (Bullet) کے منہ زور گھوڑے کے پاؤں تلے روند کر اسے بے وقار بھی کر دیا جاتا ہے۔ عوام کی آرزؤں اور تمناؤں کا خون کر دیا جاتا ہے اور وہ بے بسی اور مایوسی کی تصویر بنے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا جمہوریت مخالف قوتوں اور ان کے تنخواہ دار تجزیہ نگاروں اور دانشوروں کے لیے جمہوریت کو ایک ناکام نظامِ حکومت ثابت کرنا آسان ہو جاتا ہے اور غیر جمہوری قوتوں کے لیے ''اہلاً وسہلاً'' کا وِرد شروع ہو جاتا ہے۔

بدقسمتی سے وطنِ عزیز میں جمہوریت کو متنازعہ بنانے کے لیے جو حربے اور ہتھکنڈے اختیار کیے گئے ان کی ایک طویل تاریخ موجود ہے۔ یہاں ایسی جماعتوں اور تنظیموں کو کھلی چھٹی حاصل ہے جو جمہوریت کو نظامِ کفر قرار دیتی ہیں اور مذہب کو اس کے لیے بنیادی حوالے کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ نام نہاد سیاسی قائدین اپنی سیاسی جماعتوں میں جمہوری اصولوں کی پاسداری قائم کرنے کی بجائے اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ قوم کے وسیع تر مفاد میں غیر جمہوری قوتوں کے ہاتھ پر بیعت کرنا جرم نہیں سمجھا جاتا۔ بوقتِ ضرورت وفاداری بدل لینا جمہوری حق سمجھا جاتا ہے۔ اس مردار خوری کو جمہوریت کا حسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نہ ہی اسے جمہوریت بہترین انتقام کہا جا سکتا ہے بلکہ اگر کہنا

ضروری ہوتو کہنا چاہیے کہ یہ جمہوریت کے ساتھ بہترین انتقام ہے۔ بلکہ یہ سب جمہوریت کے نام پر کیے جانے والے قبیح بدترین اور سنگین جرائم کی ذیل میں آنے والے بداعمال ہیں۔ایسی صورتِ حال میں جمہوریت کس کے لیے قابل قبول ہوسکتی ہے اور روحانی جمہوریت تو اس سے آگے کی منزل ہے۔ دراصل وطن عزیز پاکستان میں بارہا جمہوریت کے ساتھ جو سنگین قسم کی بدمذاقی اختیار کی گئی وہ عوام کے حافظہ میں ابھی موجود ہے۔

دور ایوبی میں جمہوریت کی جگہ ''بنیادی جمہوریت'' کا شوشا چھوڑا گیا، پھر'' عوامی جمہوریت'' آئی، ضیا ''اسلامی جمہوریت'' کا علمبردار بنا اور مشرف نے ''حقیقی جمہوریت'' کا ڈھنڈورا پیٹا ۔سب جانتے ہیں کہ ان جمہوریتوں میں سب کچھ تھا جمہوریت نہیں تھی۔ لہٰذا آج اگر'' روحانی جمہوریت'' کو'' اقبال کے تھیلے کی بلی'' کہا گیا ہے تو کسی کو اس پر اپنی حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

راقم بارہا فرزند اقبال کے خطبوں میں بھی یہ سن چکا ہے کہ اقبال کا روحانی جمہوریت کا تصور قابل فہم نہیں۔ یہ درست ہے کہ اقبال نے روحانی جمہوریت کی اصطلاح صرف ایک بار اپنے خطبات میں استعمال کی جسے خطبۂ اجتہاد کے آخری پیراگراف میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> "Let the Muslim of today appreciate his position, reconstruct his social life in the light of ultimate principles and evolve, out of the wither to partially revealed purpose of Islam, that spiritual democracy which is the ultimate aim of Islam".[۶]

اقبال ''روحانی جمہوریت'' کو اسلام کا حقیقی نصب العین قرار دیتے ہیں اور ہمارے دانشور خود کو بحرِ عجز میں غوطہ زن ظاہر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، جنھوں نے اقبال کی سیرت و فلسفہ کے حوالے سے قابل قدر کام کیا ہے اور تمام عمر افکار اقبال کی تشریح و توضیح اور فروغ کے لیے کوشاں رہے ہیں، جمہوریت کے حوالے سے یہ تو فرماتے ہیں کہ اقبال اسلام کی روح کے مطابق جمہوریت چاہتے تھے اور عہدِ حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجوں کی روشنی میں اقبال کے پیغام کی نئی تشریح کی ضرورت ہے لیکن روحانی جمہوریت کی تشریح و توضیح میں کوئی واضح بات نہیں کرتے۔[۷]

یا پھر بعض اصحاب کے نزدیک روحانی جمہوریت سے اقبال کی مراد ایسی جمہوریت ہے جو دینی احکامات کے تابع ہو جیسا کہ خود فرمان اقبال ہے کہ جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔ لہٰذا مروجہ جمہوریت کو بھی اگر کتاب و سنت کے فریم ورک کے اندر لایا جائے گا تو وہ روحانی جمہوریت ہوگی۔ اقبال کے سیاسی، معاشی اور سماجی افکار کی حکمت قرآنی کی روشنی میں سیکڑوں تشریحات و توضیحات اب تک ہو چکی ہیں اور اس ضمن میں کئی اکابر اقبال شناسوں کی کاوشیں منظر عام پر آچکی ہیں لیکن روحانی جمہوریت کے حوالے سے عمومی رویہ یہی ہے جو ڈاکٹر جاوید اقبال کے ضمن میں اوپر پیش کیا جا چکا ہے حالانکہ مظفر حسین اس موضوع پر اپنا مربوط مطالعہ اپنی تصنیف ''پاکستان کی منزل مراد: روحانی جمہوریت'' میں پیش کر چکے ہیں۔[۸]

مظفر حسین کی اس قابل قدر تصنیف کو اقبال شناسی کی روایت میں ایک اہم، منفرد اور حقیقی اضافہ سمجھنا

چاہیے۔ اس تصنیف کی فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مصنف نے علمی و تحقیقی انداز میں اپنا بھر پور مطالعہ اس انداز میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے کہ موضوع سے متعلق تمام اہم پہلو ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ ۳۰۷ صفحات پر مشتمل کتاب کے پانچ ابواب کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ روحانی جمہوریت: اجمالی تعارف

۲۔ عصر حاضر میں انسان کی تین ضرورتیں

۳۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے روحانی اصول

۴۔ روحانی جمہوریت کے بنیادی اصول

۵۔ نئے عالمی نظام کی تلاش اور روحانی جمہوریت

مظفر حسین کا موقف ہے کہ اقبال کی روحانی جمہوریت محض ایک سیاسی تصور نہیں جیسا کہ بالعموم (جمہوریت کے نام کی وجہ سے) سمجھ لیا گیا، ایک خالص دینی اور اسلامی تصور ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت ایک تمدنی تصور کی ہے جس میں اللہ کی محبت اور مخلوق خدا کی محبت ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔۹

یہ درست ہے کہ اقبال نے خصوصی طور پر روحانی جمہوریت کے عنوان کے تحت اپنے خیالات کو کسی باضابطہ تصنیف میں پیش نہیں کیا، لیکن اگر ان کی مجموعی فکر کا بغور مطالعہ کی جائے تو ایسے بلیغ اشارے موجود ہیں جن کی مدد سے روحانی جمہوریت کے خدوخال واضح ہو سکتے ہیں۔

اقبال کی وفات سے چند ماہ قبل لاہور ریڈیو سٹیشن سے سالِ نو کا جو پیغام نشر ہوا اس میں بھی انھوں نے زور دے کر کہا کہ انسان کی بقا کا راز انسانیت سے احترام میں ہے اور جب تک دنیا کی علمی قوتیں احترام انسانیت پر اپنی توجہ مرکوز نہ کر دیں گی یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی بنی رہے گی۔ وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے، جو رنگ، نسل اور زبان کے امتیاز سے بالاتر ہے۔ جب تک اس ناپاک قوم پرستی اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو مٹایا نہ جائے گا، جب تک انسان اپنے عمل سے ''مخلوق خدا کا کنبہ ہے'' کے اصول کا قائل نہ ہو جائے گا، اخوت، حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندہ معنی نہ ہوں گے''۔۱۰

اقبال، جمہوریت اور روحانی جمہوریت کے حوالے سے ہمارے جو دانشور اپنے تعصّبات اور مغالطّوں کو اقبال کے فکری تضادات قرار دیتے ہیں، انھیں اپنے تعصب اور انانیت سے بلند ہو کر فکر و تحقیق کا طریق اختیار کرنا چاہیے۔ اسی صورت میں انھیں اقبال کا تصور روحانی جمہوریت ہی نہیں دیگر علمی و فکری امور پر بھی روشنی اور رہنمائی کی توفیق حاصل ہو سکے گی۔

حواشی:

۱۔ دیکھیے زاہد مسعود کا کالم بعنوان ''ادب اور جمہوریت'' روز نامہ جنگ لاہور، اشاعت یکم فروری ۲۰۱۳ء، ص:۱۴، جس میں دس اور گیارہ جنوری ۲۰۱۳ کو اسلام آباد میں منعقدہ اہل قلم کانفرنس کی روداد بیان کی گئی ہے۔

۲۔ اسلم گورداسپوری کی یہ تحریر ''تماشائے اہل قلم کانفرنس'' کے عنوان سے ماہنامہ الحمراء لاہور، فروری ۲۰۱۳ کے شمارے میں شامل ہے۔ دیکھیے ص: ۸۶ تا ۹۰

۳۔ کلیات اقبال (اُردو)، بانگ درا، ص: ۲۷۵۔۲۹۱

۴۔ ایضاً، ص: ۲۷۴۔۲۹۰

۵۔ Iqbal, Allama muhammad, The Reconstruction of Religious Thought In Islam, Edited and Annotated by M. Saeed Sheikh, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1999, p. 101

۶۔ Ibid, Reconstruction, p. 142

۷۔ دیکھیے روزنامہ ''جنگ'' لاہور، ۱۰ نومبر ۲۰۰۳، جس میں ڈاکٹر جاوید اقبال کا بیان اقبال کے ۱۲۶ ویں یوم ولادت کے موقع پر اکادمی ادبیات، اسلام آباد میں منعقدہ تقریب کے حوالے سے شائع ہوا ہے۔

۸۔ مظفر حسین (۱۹ ستمبر ۱۹۲۹۔۲۲ جولائی ۲۰۰۳)، اسلامی فکر، اقبالیات اور پاکستانیات کے اہم اسکالر تھے۔ وہ محکمہ زراعت میں مختلف حیثیتوں میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ ڈائریکٹر ایگریکلچر انفارمیشن پنجاب کے عہدے پر دس سال تک فائز رہے۔ آپ نے بطور ممبر کسان کمیشن بھی کام کیا۔ وہ اپنی ملازمت کے دوران میں طویل عرصہ تک محکمہ زراعت کے اُردو / انگریزی رسائل: پندرہ روزہ '' زراعت نامہ'' اور Quarterly "Journal of Agricultural Research" کے ایڈیٹر بھی رہے۔

مظفر حسین کی اہم تصانیف و تالیفات، ''سائنس کی دینیات'' (۱۹۸۴ء)، '' اقبال کے زرعی افکار'' (۱۹۸۴ء)، ''اساس فکر اقبال'' (۲۰۰۲ء)، ''پاکستان: تجربہ گاہ اسلام (۲۰۰۲ء) اور پاکستان کی منزل مراد۔۔ روحانی جمہوریت'' (۲۰۰۲ء) ہیں۔ راقم نے مظفر حسین کی حیات اور علمی و ادبی خدمات کا تفصیلی تذکرہ اپنے مضمون ''مظفر حسین: تفہیم اقبال سے توسیع اقبال تک'' میں کیا ہے جو مجلّہ ''تحقیق نامہ'' جی سی یونیورسٹی لاہور، شمارہ ۵ (۲۰۰۸ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ دیکھیے ص: ۹۵ تا ۱۰۶

۹۔ پاکستان کی منزل مراد: روحانی جمہوریت، لاہور: آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۰۱

۱۰۔ حرفِ اقبال، ترتیب و ترجمہ، لطیف احمد خان شروانی، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء، ص: ۲۱۷۔۲۱۹

II